ادب کا نصب العین فرمودات اقبال کی روشنی میں

حافظ عبدالقدیر*

ادب کا شمار فنونِ لطیفہ میں ہوتا ہے' اور فنونِ لطیفہ کا تعلق زندگی کے حسن و جمال اور انسان کے جمالیاتی ذوق سے ہے۔ ادب کی بابت اُدبا اور ناقدین کے دو گروہ ہیں ایک گروہ فن برائے فن (Art for Art) یا فن برائے جمال کا دعویدار ہے۔ اُن کے خیال میں آرٹ نہ تو مذہب و اخلاق کی خدمت کے لیے ہے اور نہ ہی اُس کا مقصد افادہ ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ مذہب کی خاطر ہونا چاہیے' اخلاق اخلاق کی خاطر' اور آرٹ آرٹ کی خاطر۔ جبکہ اُدبا و ناقدین کا دوسرا گروہ ادب برائے زندگی (Art for Life) کا قائل ہے۔ اِن کا کہنا ہے کہ فن کو جمالیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اخلاقی اقدار کا پاسباں بھی ہونا چاہیے۔ یہ گروہ ادب برائے ادب کا سختی سے مخالف ہے۔ اِن کے نزدیک ادب برائے ادب ''انسانی کردار کو جدو جہد' کوشش اور حرکت پیہم کی طرف لے جانے کی بجائے اُسے بے عملی' خود فریبی' خود فراموشی اور بے مقصدیت کی طرف لے جاتا ہے جن سے قومیں اور تہذیبیں موت کی طرف بڑھتی ہیں''۔(۱)

اقبال کا نظریہ ادب نظریہ برائے زندگی ہے' وہ فن کو زندگی کے تابع سمجھتے ہیں اور اُس سے حسن آفرینی کے ساتھ ساتھ اقدار کی تخلیق کا کام بھی لیتے ہیں' انسانی زندگی کا فائدہ' حقیقت کی ترجمانی' ماحول کا احساس' صداقت کا اظہار' یہ ہیں وہ ادبی مقاصد جن کی آئینہ داری اقبال کی شاعری میں ملتی ہے' اگرچہ اقبال کے فلسفے اور نظامِ فکر میں بہت سے انقلاب آئے لیکن آپ اُن کی ۱۹۰۲ء سے لیکر ۱۹۳۸ء تک کی تمام شاعری اور تحریریں پڑھ لیں آپ دیکھیں گے کہ اقبال نے ادب اور زندگی کو ایک لمحے کیلیے مختلف نہیں سمجھا۔(۲) اُنہوں نے خواجہ عبدالوحید سے اثنائے گفتگو میں فرمایا:

''اگرچہ آرٹ کے متعلق دو نظریے موجود ہیں اول یہ کہ آرٹ کی غرض محض حُسن کا احساس پیدا کرنا ہے اور دوم یہ کہ آرٹ سے انسانی زندگی کو فائدہ پہنچنا چاہیے۔ اُن کا ذاتی خیال یہ ہے کہ آرٹ زندگی کے ماتحت ہے۔ ہر چیز کو انسانی زندگی کے لیے وقف ہونا چاہیے اور اس لیے ہر وہ آرٹ جو انسانی زندگی کے لیے مفید ہو اچھا اور جائز ہے۔ اور جو زندگی کے خلاف ہو جو انسانوں کی ہمتوں کو پست اور اُن کے جذبات عالیہ کو مردہ کرنے والا ہے قابل نفرت و پرہیز ہے۔''(۳)

اسی طرح افغانستان میں کابل کی انجمن ادبی یا رائل اکادمی کی تقریب میں اقبال نے فرمایا:

''میرا عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا شاعری یا مصوری یا موسیقی یا معماری' ان میں سے ہر ایک زندگی کا

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان۔

معاون اور خدمت گار ہے۔اسی بناء پر میں آرٹ کو ایجاد و اختراع سمجھتا ہوں نہ کہ محض آلہ ءتفریح۔شاعر قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد بھی کرسکتا ہے اور برباد بھی.....شعرا پر لازم ہے کہ وہ نوجوان قوم کے سچے راہنما بنیں۔ زندگی کی عظمت اور بزرگی کی بجائے موت کو زیادہ بڑھا چڑھا کر نہ دکھائیں' کیونکہ جب آرٹ موت کا نقشہ کھینچتا ہے'اور اس کو بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے۔تو اس وقت وہ سخت خوفناک اور بربادکن ہو جاتا ہے۔اور جو حسن قوت سے خالی ہو وہ محض پیامِ موت ہے:

دلبری بے قاہری جادوگری است
دلبری با قاہری پیغمبری است

......شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر برا اثر مرتب کرتا ہے۔کسی قوم کی زندگی کی موقوف علیہ چیزیں محض شکل وصورت نہیں ہیں۔بلکہ جو چیز حقیقتاً قوم کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے' وہ تخیل ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ بلند نظریات ہیں' جن کو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔قومیں شعرا کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہیں اور اہلِ سیاست کی پامردی سے نشوونما پا کر مر جاتی ہیں۔''(۴)

داعیانِ فن برائے فن اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ ادب کا نہ تو کوئی مذہب ہے اور نہ ہی اُسے مذہب سے کوئی سروکار' جبکہ اقبال کی نظر میں مذہبی تاثیر ہی تمام علوم وفنون کی محرک ہے' وہ اپنے سفر انگلستان کے دوران میں کچھ دیر کیلیے فرانس کی بندرگاہ مارسیلز ٹھہرے اور وہاں پر نوٹرڈام گرجا دیکھا جو نہایت اونچی جگہ پر واقع تھا' اقبال اُسکی شاندار عمارت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے' اُنہوں نے ایڈیٹر''وطن'' کے نام اپنے اُن تاثرات کو یوں قلمبند کیا:

''۲۳ کی صبح مارسیلز یعنی فرانس کی ایک مشہور تاریخی بندرگاہ پر پہنچے اور چونکہ ہمیں آٹھ دس گھنٹے کا وقفہ مل گیا تھا' اس واسطے بندرگاہ کی خوب سیر کی۔مارسیلز کا نوٹرڈام گرجا نہایت اونچی جگہ پر تعمیر ہوا ہے اور اس کی عمارت کو دیکھ کر دل پر یہ بات منقوش ہو جاتی ہے کہ دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں تمام علوم وفنون کی محرک ہوئی ہے''(۵)

چونکہ اقبال شارحِ قرآن تھے اُن کا دعویٰ ہے کہ اُنہوں نے اپنی شاعری میں صرف قرآن اور قرآنی تعلیمات کی ترویج کی ہے جو اُن کیلئے وجہِ اعتزاز ہے۔

گر دلم آئینہ ءبے جوہر است در بحرفم غیر قرآں مضمر است
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسہ پا کن مرا(۶)

ترجمہ:اگر میرے دل کا آئینہ جوہر کے بغیر ہے'اگر میرے اشعار میں قرآن کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے'

مجھے قیامت کے روز خوار ورسوا کیجیے یعنی اپنے بوسہ ءپا سے محروم رکھیے۔

اُن کا کہنا ہے کہ قرآن میں مختلف مقامات پر جو قصص وحکایات بیان ہوئی ہیں اُن سے قصہ گوئی' تفریحِ طبع یا محض تاریخی واقعات کا ذکر مقصود نہیں تھا بلکہ اُمتِ مسلمہ کو اخلاقی سبق دینا یا کوئی فلسفیانہ حقیقت اُجاگر کرنا تھا۔اُنہوں نے اپنی کتاب: The Reconstruction Of Religious Thought In Islam میں قرآن کے ادبی پہلو کے حوالے سے لکھا:

> ''قرآن کریم میں جب کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے تو اس سے مقصد بالعموم یہ نہیں ہوتا کہ کسی تاریخی واقعے کا ذکر کیا جائے' اس سے عام طور پر کوئی عالمگیر اخلاقی سبق دیا جاتا' یا کوئی عالمگیر فلسفیانہ حقیقت اجاگر کی جاتی ہے''(۷)۔

اقبال کے نزدیک ادیب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ادب کے ذریعے اپنے معاشرہ کی ایجابی اقدار کا اِثبات اور سلبی اقدار کی نفی کرے' اُسکی شاعری آرٹ برائے آرٹ نہ ہو' وہ صرف گیسوئے الفاظ ہی نہ سنوارتا رہے' بلکہ اُسے چاہیے کہ وہ رنگینیِ الفاظ کی بجائے حسنِ معانی کا متمنی ہو۔

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا　　غوّاص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے؟(۸)

اپنے دیوان ''ضربِ کلیم'' میں ''فنونِ لطیفہ'' کے عنوان کے تحت اُنہوں نے اپنے افکار اور نقطہءنظر کی وضاحت کی ہے۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے' وہ نظر کیا!
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا!
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا' وہ گہر کیا!
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا!
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!(۹)

اقبال فنونِ لطیفہ کو تفریح و تسلی اور سستی افادیت کے لیے استعمال کرنے کے خلاف ہیں اور زوال پذیر ادب کی علامت اُن کی نگاہ میں یہ ہے کہ وہ انسانیت اور زندگی کے حقیقی مسائل سے صرفِ نظر کر لیتا ہے' وہ چاہتے ہیں کہ فنونِ لطیفہ سے انسانی خودی اور اس کی شخصیت کی تعمیر کا کام لیا جائے۔(۱۰)

اقبال نے آنجنابؐ کے ذوقِ شعری اور شعری تنقید کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے لکھا کہ ایک موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلی کے مشہور عرب شاعر امرؤ القیس کہ جس کی شاعری شرابِ ارغوانی کے دور' عشق و حسن کے جاں گداز جذبات یا ہوش رباء داستانوں' آندھیوں سے اڑی ہوئی پرانی بستیوں کے کھنڈر اور بیتلے ویرانوں کی خاموشی کے دل ہلا دینے والے مناظر سے عبارت ہے کی بابت یہ رائے ظاہر کی کہ ''أشعر الشعراء وقائدھم الی النار'' یعنی وہ شاعروں کا سرتاج ہے لیکن جہنم کے راستے میں اُن کا رہنما' جبکہ ایک دوسرے موقع پر قبیلہ بنو عبس کے مشہور شاعر عنترہ کا یہ شعر آنحضورؐ کے سامنے پڑھا گیا۔

ولقد أبیت علی الطوی وأظله حتی أنال بہ کریم المأکل

یعنی میں نے بہت سی راتیں محنت و مشقت میں بسر کی ہیں تا کہ میں اکل حلال حاصل کر سکوں۔

حلال کی کمائی میں انسان کو جو سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں' اور جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اُس کا نقش پردۂ خیال پر شاعر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس شعر میں کھینچا ہے۔ اس شعر کو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا! کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوق ملاقات پیدا نہیں کیا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے کہنے والے کو ملنے کے لیے میرا دل بے اختیار چاہتا ہے۔ اقبال یہ ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

''آنحضورؐ نے جو اس شعر کی تعریف فرمائی' اس سے آرٹ کے ایک اور اہم اصول کی شرح ہوتی ہے کہ آرٹ حیاتِ انسانی کے تابع ہے' اُس پر فوقیت نہیں رکھتا۔ تمام انسانی عمل کا منتہائے نظر شوکت' قوت اور جوش سے بھری ہوئی زندگی کی تحصیل ہے۔ اس لیے ہر انسانی آرٹ اس غایت آفرین کا مطیع ہونا چاہیے اور ہر شے کی قدر و قیمت کا معیار یہی ہونا چاہیے کہ اس میں حیات بخشی کی صلاحیت کتنی ہے۔ ارفع آرٹ وہی ہے جو ہماری خوابیدہ قوتِ عزم کو بیدار کرے اور ہمیں زندگی کی آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ترغیب دے لیکن وہ سب کچھ' جس کے اثر سے ہم اونگھنے لگیں اور جو جیتی جاگتی حقیقتیں ہمارے گرد و پیش موجود ہیں (کہ اُنہی پر غلبہ پانے کا نام زندگی ہے) اُن کی طرف آنکھوں پر پٹی باندھ لیں' انحطاط اور موت کا پیغام ہے۔ آرٹ میں افیون نوشی کی کوئی گنجائش نہ ہونی چاہیے۔ یہ نعرہ کہ آرٹ برائے آرٹ یا آرٹ قائم بالذات ہے' انفرادی و اجتماعی انحطاط کا ایک عیارانہ حیلہ ہے اور اس لیے تراشا گیا ہے کہ ہم سے زندگی اور قوت دھوکا دے کر چھین لی

جائے۔''(۱۱)

اُن کی نظر میں اگر شاعری ''دنیا ہیچ است و کارِ دنیا ہمہ ہیچ'' کی تعلیم دیتی ہو' اُسکا مقصد معاشرے کی خدمت نہ ہو' وہ اُسے عمل کی طرف نہ لے جائے' اُسکے موضوعات ذہن کو بھٹکانے والے یا خودی کو کمزور کرنے والے ہوں' اگر وہ انسانوں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہوں کہ ''بابر بہ عیش کوشت کہ عالم دوبارہ نیست'' اور زندگی اور مسائل زندگی کی طرف توجہ نہ دیں' تو ایسی شاعری میں جتنا زیادہ حسن اور آرٹ ہوگا وہ اُتنی ہی زیادہ معاشرے کے حق میں خطرناک ثابت ہوگی' اور ایسی شاعری سے خاموشی بدرجہا بہتر ہے:

افسردہ اگر اسکی نوا سے ہو گلستاں　　بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز(۱۲)

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام　　حرام میری نگاہوں میں نائے وچنگ ورباب!(۱۳)

اقبال' فارسی کے مشہور شاعر ''حافظ شیرازی'' کی شاعرانہ مہارت' فنی کمالات (Poetic Skills) اور اُس کے از حد دلنشیں آہنگ کے معترف تھے اور اس کا اُنہوں نے اقرار بھی کیا' جاوید اقبال رقمطراز ہیں:

''دورانِ گفتگو عطیہ فیضی نے یہ تأثر قائم کیا کہ اقبال' حافظ کے بے حد مداح ہیں۔ عطیہ کے مطابق اُنہوں نے کہا کہ میں جب حافظ کے رنگ میں ہوتا ہوں تو اُن کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں''(۱۴)

لیکن جیسا کہ حالی نے ''حیاتِ سعدی'' میں لکھا ہے کہ حافظ کی غزل سے ابرار واحرار کے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی' توکل' استغنا اور قناعت کا نہایت پختہ خیال پیدا ہوتا ہے اور اوباش لوگوں کو بےفکری' ناعاقبت اندیشی' عشق بازی' بدنامی اور رسوائی کی ترغیب ہوتی ہے۔ قوم کی موجودہ حالت میں یہ دونوں تاثیریں اس کے لیے خانہ برانداز اور خانماں سوز ہیں۔(۱۵) اقبال نے جب اپنی مثنوی ''اسرار خودی'' لکھی تو اُس کے دیباچے میں ادب کا ہدف متعین کرتے ہوئے حافظ کی بارے میں گیارہ اشعار کہے اور حافظ پر سخت تنقید کی۔ اُنہوں نے حافظ کی شاعری کو اخلاق کو سلانے والی' ہوش کو ختم کرنے والی' عمل سے عاری اور اسلامی اقوام کو ذوقِ عمل سے محروم کرنے والی قرار دیا۔ اور قارئین کو اُس کے پڑھنے سے روکا۔ اُنہوں نے کہا:

ہوشیار از حافظ صہبا گسار　　جامش از زہر اجل سرمایہ دار

رہن ساقی خرقہء پرہیز او　　می علاج ہول رستا خیز او

نیست غیر از بادہ در بازار او　　از دو جام آشفتہ شد دستار او

چون جرس صد نالہء رسوا کشید　　عیش ہم در منزل جانان ندید

آن فقیہ ملت می خوارگان — آن امام امت بی چارگان
گوسفند است ونوا آموختہ است — عشوہ وناز وادا آموختہ است
دلربائی ہای او زہر است وبس — چشم او غارتگر شہر است وبس
از بز یونان زمیں زیرک تر است — پردہ ء عودش حجاب اکبر است
بگزر از جامش کہ در مینای خویش — چون مریدان حسن دارد حشیش
محفل او در خور ابرار نیست — ساغر او قابل احرار نیست
بی نیاز از محفل حافظ گذر — الحذر از گوسفندان الحذر(۱۶)

ترجمہ: حافظِ بادہ خوار سے ہوشیار رہنا کہ اُس کا جام موت کے زہر سے لبالب ہے۔

اُس کی پرہیزگاری کا خرقہ ساقی کے ہاں رہن رکھا ہوا ہے۔اُس کے ہولناک ڈر کا علاج شراب ہے۔اُس کے بازار میں شراب کے سوا کچھ نہیں' اُسکی دستار دو جام پی کر ہی کھل گئی۔

وہ مانند جرس رسوائی کے نغمے گا تا رہا لیکن پھر بھی اُسے عیشِ منزلِ جاناں نصیب نہ ہوا۔

یہ شرابیوں کی قوم کا فقیہ ہے اور بے چارگان کی امت کا امام ہے۔

وہ ایک ایسی بھیڑ ہے جس نے شاعری سیکھ لی ہے اور اسی طرح ناز ونخرے بھی سیکھ لیے ہیں۔

اُسکی دلربائی سراپا زہر ہے اور اُسکی نظر شہروں کے حق میں تباہ کن ہے۔

وہ یونانی بھیڑ سے زیادہ چالاک ہے اور اُسکی عود کا پردہ حجابِ اکبر ہے۔

اُسکے جام کو نظر انداز کرو کیونکہ اُسکی اپنی صراحی میں حسن کے مریدوں کی طرح حشیش ہے۔

حافظ کی محفل نیکوکاروں کیلیے نہیں ہے۔اُسکا جام آزاد لوگوں کے شایانِ شان نہیں ہے۔

تم حافظ کی محفل سے دور رہو اور ان بھیڑوں سے بچ کر رہو۔

اقبال کے خواجہ حافظ کے مسلک کو بُرا بھلا کہنے پر بڑی لے دے ہوئی' حافظ کے عقیدت منداور پیرو کار اس پر خوب چیں بہ جبیں ہوے اور اُنہوں نے اقبال کے خلاف اخبارات ومجلّات میں قلمی ہنگامہ برپا کیا جس کا اقبال نے یوں جواب دیا:

''شاعرانہ اعتبار سے میں حافظ کو نہایت بلند پایہ سمجھتا ہوں ...وہ انسانی قلب کے راز کو پورے طور پر سمجھتے ہیں' لیکن فردی اور ملی اعتبار سے کسی شاعر کی قدر وقیمت کا اندازہ کرنے کیلیۓ کوئی معیار ہونا چاہیے۔میرے نزدیک وہ معیار یہ ہے' کہ اگر کسی شاعر کے اشعار اغراضِ زندگی میں ممد ہیں تو وہ شاعر اچھا ہے' اور اگر اُس کے

اشعار اغراضِ زندگی کے منافی ہیں' یا زندگی کی قوت کو کمزور اور پست کرنے کا میلان رکھتے ہوں' تو وہ شاعر' خصوصاً قومی اعتبار سے مضرت رساں ہے۔۔۔حافظ کی دعوت موت کی طرف ہے جس کو وہ اپنے کمالِ فن سے شیریں کر دیتے ہیں۔تاکہ مرنے والے کو اپنے دکھ کا احساس نہ ہو''(۱۷)

اسی طرح سے''اسرارِ خودی'' میں پیش کردہ نقطہء نظر کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال نے مہاراجہ پرشاد کو تحریر کیا:

''میں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی گذشتہ دماغی تاریخ اور موجودہ حالات پر بہت غور کیا ہے' جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ان دونوں قوموں کے اطبا کو اپنے مریض کا اصل مرض اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔میرا عقیدہ ہے کہ ان کا اصل مرض قوائے حیات کی ناتوانی اور ضعف ہے اور یہ ضعف زیادہ تر ایک خاص قسم کے لٹریچر کا نتیجہ ہے جو ایشیا کی قوموں کی بدنصیبی سے ان میں پیدا ہو گیا۔۔۔اب حالاتِ حاضرہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس نقطہء خیال کی اصلاح کی جائے''(۱۸)

اقبال نہ صرف ایسے ادب بلکہ اُس تصوف اور اُس کے زیرِ اثر تخلیق پانے والے صوفی ادب کے بھی خلاف تھے جو اپنے پیروکاروں کو دنیا سے لاتعلقی' اور زندگی کی بجائے موت کو محبوب بنانے کا درس دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اقبال نے تصوف کے نظریہ وحدت الوجود' جو اس بات کا دعویدار ہے کہ ہر چیز میں خدا کا وجود جاری وساری ہے' اور اس کے زیرِ اثر تخلیق پانے والے ادب کی اپنی تحریروں اور شاعری میں شدت سے مخالفت کی۔اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

''وحید خاں ایک پنجابی شاعر تھا جو کسی ہندو جوگی کا مرید ہو کر فلسفہ ویدانیت (ویدانیت اور وحدت الوجود ایک ہی چیز ہے) کا قائل ہو گیا تھا۔اس تبدیلیٔ خیال وعقیدہ نے جو اثر اُس پر کیا ہے اُسے وہ خود بیان کرتا ہے

تھے ہم پوت پٹھان کے دل کے دیں موڑ
شرن پڑے رگناتھ کے سکیں نہ تنکا توڑ

یعنی میں پٹھان تھا اور فوجوں کے منہ موڑ سکتا تھا' مگر جب سے رگناتھ جی کے قدم پکڑے ہیں یا بالفاظ دیگر یہ معلوم ہوا ہے کہ ہر چیز میں خدا کا وجود جاری وساری ہے میں ایک تنکا بھی نہیں توڑ سکتا۔کیونکہ توڑنے میں تنکے کو دکھ پہنچنے کا احتمال ہے' کاش وحید خاں کو یہ معلوم ہوتا کہ زندگی نام ہی دکھ اُٹھانے اور دکھ پہنچانے کی قوت رکھنے کا ہے۔زندگی کا مقصد زندگی ہے نہ موت۔''(۱۹)

وہ تو ایسی شاعری کے خواہاں تھے جو تنِ مردہ میں بھی جان ڈال دے اور سوئی ہوئی امت مسلمہ کو پھر جادۂ عمل پر گامزن کرے' ایسی شاعری جو بامقصد ہو جو حوصلہ مندی' استقامت' عمل پیہم اور خودداری کا سبق دیتی ہو

غزل سرائے ونواہائے رفتہ باز آور
بایں فسردہ دلاں حرفِ دل نواز آور

نئے کہ دل زنوایش بسینہ می رقصد
مئے کہ شیشہء جاں را دہد گداز آور(۲۰)

ترجمہ: کوئی غزل چھیڑیے اور پرانی نوا واپس لائیے! ہم افسردہ دلوں سے دل کی بات کیجیے۔
ایسی نے ہو کہ جس کی لَے سے سینے کے اندر دل رقص کرنے لگے۔ ایسی شراب ہو' جو شیشہء قلب میں گداز پیدا کردے۔

اقبال اُن شعرا واُدبا کے بھی مخالف تھے جن کی شاعری کا مقصدِ اول وآخر غزل گوئی اور جمالِ زن کی مدح وتوصیف ہے' جن کے اعصاب پر عورت سوار ہے اور جو ساری زندگی اسی دشت کی سیاحی میں گذار دیتے ہیں۔ جن کا کلام حسنِ نسوانی کی قصیدہ گوئی' سطحی لذت پسندی' بدن کی آب وتاب کے بیان' لب ورخسار کے ذکر' عاشقی کے افسانوں' اور ہوس پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

عشق ومستی کا جنازہ ہے تخیل انکا ان کے اندیشہء تاریک میں قوموں کے مزار!
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار!
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند کرتے ہیں روح کو خوابیدہ' بدن کو بیدار
ہند کے شاعر وصورت گر وافسانہ نویس آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!(۲۱)

اقبال خود بھی' لندن میں قیام کے دوران' اُنھوں نے جب محسوس کیا کہ روایتی شاعری کے ذریعے مشرقی افکار کے اظہار کو وقت کی ضروریات کے مطابق ڈھالنا اور اس طرح شاعری کو با مقصد بنانا ممکن نہیں تو اُنھوں نے شاعری ترک کرنے کا ارادہ کرلیا(۲۲) شیخ عبدالقادر کا بیان ہے:

''ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ اُن کا ارادہ مصمم ہوگیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کردیں اور قسم کھا لیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اُن کی شاعری ایسی نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ اُن کے کلام میں وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ہمارے کم نصیب ملک کے امراض کا علاج ہوسکے۔ اس لیے ایسی مفید' خداداد طاقت کو بے کار کرنا درست نہ ہوگا.....''(۲۳)

اسی طرح سے اقبال کو اس بات پر بھی افسوس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بہت سی صلاحیتوں سے نوازا تھا' لیکن اُنھوں نے یہ صلاحیتیں دینی علوم پڑھنے کی بجائے یورپ کا فلسفہ سمجھنے میں صرف کردیں' وہ اپنی بہن کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''........میں اپنی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو بے حد افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی پوری عمر یورپ کا فلسفہ

پڑھنے میں گزار دی۔ خدا تعالی نے مجھے قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے۔ اگر یہ قوائے دینی علوم پڑھنے میں صرف کیے جاتے تو آج خدا اور اس کے رسولؐ کی میں بھی کوئی خدمت کر سکتا اور جب خیال آتا ہے کہ والد مکرم مجھے دینی علوم ہی پڑھانا چاہتے تھے تو اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ صحیح راہ معلوم تھی، مگر حالات نے اس پر چلنے نہ دیا۔ بہر حال جو کچھ خدا کو منظور تھا وہی ہوا اور مجھ سے بھی جو کچھ ہو سکا، میں نے کیا لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا، اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے تھا اور زندگی تمام و کمال نبی اکرمؐ کی خدمت میں بسر ہونی چاہیے تھی۔"(۲۴)

یہی وہ سوچ اور اندازِ فکر تھا جس کی بنا پر اقبال نے روایتی شعری موضوعات کو بہت کم اپنی شاعری میں جگہ دی۔ اُنہوں نے شاعری کو بطور ہتھیار استعمال کیا اور اُسے اپنے فلسفہ، عقائد اور اعلاء کلمۃ الحق کا ذریعہ بنایا۔ اپنی شاعری کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ میری شاعری افسانہ گوئی یا افسانہ طرازی نہیں ہے نہ ہی یہ کوچہ دلبراں میں آوارہ گردی کا نام ہے۔ وہ اپنی شاعری کو جبریلِ امین کا ہم نوا قرار دیتے ہیں:

نہ پنداری کہ من بے بادہ مستم مثال شاعراں افسانہ بستم
نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست کہ برمن تہمت شعر و سخن بست
بکوے دلبراں کارے ندارم دل زارے غم یارے ندارم
نہ خاک منؐ غبار رہگذارے نہ در خاکم دلِ بے اختیارے
بجبریل امیں ہم داستانم رقیب و قاصد و درباں ندانم(۲۵)

ترجمہ: یہ نہ سمجھ کہ میں بغیر شراب کے مست ہوں اور شاعروں کی مانند محض افسانہ گوئی کر رہا ہوں۔
اس پست ہمت شخص سے بھلائی کی کوئی اُمید نہیں، جس نے مجھ پر شعر و سخن کی تہمت رکھی۔
دلبروں کے کوچہ سے مجھے کوئی کام نہیں، نہ میرے پاس دلِ زار ہے نہ غمِ یار۔
نہ میری خاک غبارِ راہ ہے نہ میرے بدن میں دلِ بے اختیار ہے۔
میں تو جبریلِ امیں کا ہم داستاں ہوں، میرا کوئی رقیب، قاصد یا دربان نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اقبال اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُنہیں خیال تھا کہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی شاید اُنہیں شاعر تسلیم نہ کریں، (۲۶) وہ خود بھی اپنے آپ کو شاعر کہلوانا پسند نہیں کرتے کہ جس کا مقصد محض مروجہ فنونِ شعری میں اپنے کمالاتِ فن دکھانا ہوتا ہے، وہ اپنے اُن احباب سے جو اُنہیں روایتی مضامین باندھنے پر اُکساتے ہیں نالاں بھی ہیں اور بحضور رسالتمآبؐ شکوہ کناں بھی، شاعری جز از پیغمبری کے مصداق اُن کی شاعری کے خاص مقاصد ہیں۔

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ!(۲۷)

سید سلیمان ندوی کے نام ایک مراسلے میں ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء کو وہ لکھتے ہیں:

''میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔اس واسطے کوئی میرا رقیب نہیں اور نہ ہی میں کسی کو اپنا رقیب تصور کرتا ہوں۔فنِ شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض مقاصدِ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات وروایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کرلیا ہے، ورنہ:

نہ بینی خیر ازاں مردِ فرو دست
کہ برمن تہمتِ شعر وسخن بست''(۲۸)

وہ مقاصدِ خاص کیا تھے؟ اقبال اپنی تالیف ''پیامِ مشرق'' کے متعلق سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:

''فی الحال میں ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب لکھ رہا ہوں، جس کا تقریباً نصف حصہ لکھا جاچکا ہے......شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمحِ نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس۔اس بات کو مدِنظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں، اُن کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں''۔(۲۹)

اب یہ سوال کہ اقبال اگر اپنے آپ کو شاعر کہلوانا پسند نہیں کرتے تو پھر اُنہوں نے شاعری کو اپنے پیغام کا ذریعہ کیوں بنایا اور صرف نثر پر ہی اکتفا کیوں نہ کیا؟ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا:

''میں انگریزی، اردو، فارسی میں برنگِ نثر بھی اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا تھا، لیکن یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ طبائع نثر کی نسبت شعر سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں، لہذا میں نے مسلمانوں کو زندگی کے صحیح مفہوم سے آشنا کرنے، اسلاف کے نقشِ قدم پر چلانے اور ناامیدی بزدلی اور کم ہمتی سے باز رکھنے کے لیے نظم کا ذریعہ استعمال کیا۔''(۳۰)

غالب نے اپنی شاعری کے حوالے سے یہ بات کہی تھی کہ میں تلمیذ الرحمٰن ہوں، میرے معانی ومفاہیم مجھ پر الہام اور غیب سے وارد ہوتے ہیں اور میرے قلم کی آواز درحقیقت نوائے سروش ہے۔اس میں غلطی کی گنجائش نہیں۔فرشتۂ غیبی مجھ سے جو کچھ کہتا ہے میں اُسے نظم کا روپ دیتا ہوں۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں غالب صریرِ خامہ نوائے سُروش ہے(۳۱)

لیکن اسی تناظر میں اقبال کا شعر دیکھیے کہ وہ اس حوالے سے بھی احتیاط کے قائل ہیں' اور شاعری میں سہل انگاری کے قائل نہیں' وہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ فن کے اصولوں سے کسی صورت میں انحراف درست نہیں۔ وہ یہ پیغام دیتے ہیں کہ محتاط اور ہوشیار رہیں کبھی کبھی یہ سروش اور پیغامِ سروش بھی غلط ہو سکتا ہے۔

صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش (۳۲)

وہ ان تلامیذ الرحمٰن کو یہ نصیحت بھی کرتے ہیں:

پاک رکھ اپنی زباں تلمیذِ رحمانی ہے تو! ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو!

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے خرمنِ باطل جلا دے شعلہء آواز سے (۳۳)

مختصراً اقبال فن برائے فن کے شدید مخالف جبکہ فن برائے زندگی کے انتہائی حامی ہیں۔ اُن کے نزدیک اگر شاعری مقصدیت سے خالی ہو اور اُسکی توجہ صرف اپنے ہی گیسو سنوارنے پر مرکوز ہو تو وہ فرد کیلیے انتہائی ضرر رساں اور معاشرے کے حق میں انتہائی نقصان کی حامل ہے۔ اُن کی رائے میں قوموں کے اخلاق کو خراب کرنے والی چیزوں میں ایک نہایت خطرناک بلکہ مہلک چیز وہ نظریہ ہے جسے ''فن برائے فن'' کہتے ہیں (۳۴) اقبال کے ہاں شاعری جزاز پیغمبری ہے جس کا کام لوگوں کی رہنمائی' انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن کرنا اور اُنہیں اُنکی حقیقت سے روشناس کرانا ہے' اُن کے نزدیک شاعری کا فرضِ اول انسان کی عظمت میں اضافہ کرنا' اُس میں خودی کا پروان چڑھانا اور اُسے اُسکی خودی سے متعارف کروانا ہے۔ تجلیلِ آدم ہی وہ نقطہ ہے جس کے گرد اقبال کی شاعری گھومتی ہے اور جس کا اقبال اُدبا سے مطالبہ بھی کرتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ وحیدعشرت'ڈاکٹر''نظریہ اورادب''مشمولہ وحیدعشرت'ڈاکٹر'نظریہ اورادب'لاہور'پاکستان فلسفہ اکیڈمی'۱۹۸۹'ص ۲۶،۲۵

۲۔ تاثیر'ڈاکٹر''اقبال کا نظریہ شاعری''مشمولہ:قریشی' افضل حق'اقبال کا فکروفن'لاہور'منیب پبلیکیشنز'طبع اول:۱۹۷۷ء'ص ۴۳،۴۴

۳۔ وحیدعشرت' اقبال ۸۵' لاہور'اقبال اکیڈمی'طبع اول:۱۹۸۹ء'ص ۵۰۹

۴۔ جاویداقبال' ڈاکٹر' زندہ رود' لاہور'سنگ میل پبلیکیشنز واقبال اکیڈمی پاکستان'طبع ثانی:۲۰۰۸ء'ص ۵۸۱،۵۸۲

۵۔ معینی'سیدعبدالواحد'مقالات اقبال'(اقبال کے دوخطوط ایڈیٹر''وطن'' کے نام)'ص ۸۲

۶۔ اقبال' کلیات اقبال فارسی (اسرار ورموز)'ص ۱۶۸

۷۔ نیازی'سیدنذیر' تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'(تیسرا خطبہ:ذات الٰہیہ کا تصوراورحقیقت دعا)لاہور'بزم اقبال'۱۹۵۸ء' ص ۱۲۴

۸۔ اقبال' کلیات اقبال اردو(ضرب کلیم)'لاہور'غلام علی اینڈ سنز'طبع سوم'۱۹۹۶ء'ص ۵۰۴

۹۔ اقبال' کلیات اقبال اردو'(ضرب کلیم)'ص ۵۸۰،۵۸۱

۱۰۔ ندوی'ابوالحسن''اقبال اورفنون لطیفہ'' مشمولہ:ندوی'سیدابوالحسن علی'مولانا' نقوش اقبال'ترجمہ مولوی شمس تبریز خان' کراچی'مجلس نشریات اسلام'طبع چہارم'۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء'ص ۱۰۳) ۱۱۔ دیکھیے:جاویداقبال' زندہ رود' ص ۲۴۱،۲۴۲اور
sherwani, Latif Ahmad, Speeches,Writings and Statements of Iqbal, pakistan, Iqbal academy, 5th edition, 2005, p:157-159.

۱۲۔ اقبال' کلیات اقبال اردو(ضرب کلیم)'ص ۵۹۰ ۱۳۔ اقبال' کلیات اقبال اردو(ضرب کلیم)'ص ۵۸۸

۱۴۔ جاویداقبال' زندہ رود'ص ۱۴۴

۱۵۔ حالی'الطاف حسین'حیات سعدی'لاہور'مجتبائی پریس'طبع ثالث:۱۸۸۸ء'ص ۱۹۷

۱۶۔ جاویداقبال'زندہ رود'ص ۲۷۲۔۲۹۹

۱۷۔ معینی'سیدعبدالواحد'مقالات اقبال'لاہور' محمداشرف پرنٹرز'باراول:۱۹۶۳ء'ص ۱۶۶،۱۶۷

۱۸۔ جاویداقبال' زندہ رود'ص:۴۷۳ ۱۹۔ معینی'سیدعبدالواحد'مقالاتِ اقبال' ص ۱۶۳،۱۶۴

۲۰۔ اقبال' کلیات اقبال فارسی (زبورعجم)'۳۹۸ ۲۱۔ اقبال' کلیات اقبال اردو(ضربِ کلیم)'۵۹۰،۵۹۱

۲۲۔ جاویداقبال' زندہ رود'ص ۱۵۶ ۲۳۔ محمدحنیف شاہد(مرتب)'نذراقبال'لاہور'بزم اقبال'طبع اول:۱۹۷۲ء'ص ۸

۲۴۔ صوفی' خالدنظیر'اقبال درون خانہ'اقبال اکادمی پاکستان'طبع اول'۲۰۰۳ء'ص ۴۰

۲۵۔ اقبال' کلیات اقبال فارسی (زبورعجم)'لاہور'غلام علی اینڈ سنز'ص ۵۳۸

۲۶۔ جاویداقبال'ڈاکٹر''ادب میں مقام''مشمولہ'ڈاکٹرجاویداقبال'افکاراقبال(تشریحات جاوید)'لاہور'سنگ میل پبلیکیشنز'۲۰۰۵'ص ۱۵۱

۲۷۔ اقبال' کلیاتِ اقبال اردو'(بال جبریل)'ص:۳۴۳

۲۸۔ مکتوب بنام سیدسلیمان ندوی مؤرخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء۔اقبال نامہ از شیخ عطاء اللہ(حصہ اول)صفحات:۱۹۵۔۱۹۶'مشمولہ:صوفی' خالدنظیر' اقبال درونِ خانہ' ص ۱۷۵ ۲۹۔ جاویداقبال' زندہ رود'ص ۳۳۸،۳۳۹ ۳۰۔ جاویداقبال'زندہ رود'ص ۳۶۸

۳۱۔ غالب'میرزااسداللہ خان'دیوان غالب'لاہور'الفیصل ناشران وتاجران کتب'۱۹۹۵'ص ۱۳۸

۳۲۔ اقبال' کلیات اقبال اردو(بال جبریل)'ص ۳۶۷ ۳۳۔ اقبال' کلیاتِ اقبال اردو'(بانگ درا)'ص ۵۳

۳۴۔ تبسم'ہارون الرشید'پروفیسر' علامہ اقبال بحیثیت ادبی نقاد'اسلام آباد'بزم علم وفن'۱۹۹۸ء'ص:۱۰۰'بحوالہ محمدسعیدراشد'مکالمات اقبال' جہلم' بک کارنر'۱۹۸۸ء'ص ۴۱۰